

جامعہ حقانیہ کاترجان

ساہیوال
سرگودھا

الحقانیہ

مجلہ

ربیع الاول ۱۴۳۵ھ فروری ۲۰۱۴ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

فہرست

3	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	رجع الاول اور جشن عید میلاد
10	حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	درس حدیث
12	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ	ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ
14	فقیر العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
21	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی	جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
29	فقیر العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ
45	مولانا محمد آصف چنیوٹی	اخبار الجامعہ

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فاکٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

ربیع الاول اور جشن عید میلاد

ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، اس ماہ مبارک کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اسی ماہ مبارک میں آج سے چودہ سو سال قبل رحمت کائنات فخر موجودات رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں۔

لهذا الشهر في الاسلام فضل ومنقبة تفوق على الشهور

جہاں تک حضور پر نور سرور دو عالم ﷺ کے مبارک تذکرہ اور ذکر پاک کا معاملہ ہے تو یہ ایسا مبارک اور مقدس اور اعظم البرکات اور افضل القربات ذکر ہے کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، اور یہ ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کو ہر وقت مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر جانا چاہئے اور کوئی وقت آپ کے مبارک تذکرہ سے خالی نہیں ہونا چاہئے لیکن یہ حقیقت بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک صرف ذکر ولادت شریفہ اور معراج شریف کے بیان کرنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ آپ کی ہر ادا یہاں تک کہ نشست و برخاست اور طعام و لباس اخلاق و عادات مجاہدات و ریاضات، افعال و احکام اور اوامر و نواہی سب کا ہی تذکرہ کرنا مسلمانوں کے لیے نیکی اور باعث ثواب ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا حتیٰ کہ حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب ہی عبادت ہے اور نماز روزہ وغیرہ احکامات کی تبلیغ و تعلیم کرنا بھی عبادت میں شامل ہے، اس لیے حضور اکرم ﷺ کے ان سب حالات کا بیان اور ذکر کرنا ذکر رسول ﷺ میں داخل اور موجب برکت ہے۔

صرف ولادت شریفہ ہی کو آنحضرت ﷺ کا تذکرہ سمجھنا بہت بڑی غلطی اور محبت کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، حضرت نبی کریم ﷺ سے سچی محبت و عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ ذکر ولادت شریفہ کے ساتھ احکام شرعیہ اور اوامر و نواہی کے تذکرہ کو بھی آپ کا ذکر سمجھا جائے اور محبت کی علامت بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ہر ادا کا ذکر ہو ولادت شریفہ کا بھی، آپ کی سخاوت کا بھی، عبادات کا بھی، پھر اس میں کسی مہینہ، تاریخ اور مقام ہیئت مخصوصہ کی قید نہیں ہونی چاہئے بلکہ دوسرے وظیفوں کی طرح روزمرہ اس کا وظیفہ ہونا چاہئے، ایسا ہرگز مناسب نہیں کہ اہل محرم کی طرح سال بھر میں ایک مقررہ تاریخ پر یوم میلاد منالیا جائے اور پھر اس کے بعد سارا سال کچھ بھی نہیں حالانکہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک تو روح کی غذا ہے جو ہر وقت ہونا چاہیے اس میں کسی وقت مہینہ اور ہیئت مخصوصہ کی تنقید کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح ولادت شریفہ کا تذکرہ بلکہ آپ ﷺ کی کسی بھی حالت مبارک کا ذکر تمام مسلمانوں کے نزدیک باعث سعادت اور موجب ثواب ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں چنانچہ حضرات اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کی متفقہ عقائدی دستاویز ”المہند علی المفند، یعنی عقائد اہل السنۃ والجماعۃ“ میں بھی اس طرح سے آپ ﷺ کی ولادت شریفہ کے تذکرہ کو اعلیٰ درجہ کا مستحب قرار دیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اس موضوع سے متعلق ”المہند“ سے سوال و جواب کی اصل عبارت مع ترجمہ نقل کرتے ہیں تاکہ اس بارہ میں علماء دیوبند کا موقف کھل کر سامنے آجائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ کس طرح کے ذکر ولادت کو منع فرماتے ہیں، یا بدعت قرار دیتے ہیں۔ اب پہلے سوال اور پھر جواب کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے:

أتقولون ان ذکر ولادته صلى الله عليه وسلم مستحب شرعاً من

البدعات السيئة المحرمة ام غير ذلك؟ - کیا تم اس کے قائل ہو کہ جناب

رسول اللہ ﷺ کا ذکر ولادت شرعاً قبیح سیئہ حرام ہے یا اور کچھ؟۔

الجواب:

حاشا ان يقول احد من المسلمين فضلاً ان نقول نحن ان ذكر ولادته الشريفة عليه الصلوة والسلام بل وذكر غبار نعاله وبول حمارة صلى الله عليه وسلم مستقبح من البدعات السيئة المحرمة فالاحوال التي لها دنى تعلق برسول الله صلى الله عليه وسلم ذكرها من احب المندوبات واعلى المستحبات عندنا سواء كان ذكر ولادته الشريفة او ذكر بوله وبرازه وقيامه وقعوده ونومه ونهته كما هو مصرح في رسالتنا المسماة ”بالبراهين القاطعة“ في مواضع شتى منها وفي فتاوى مشائخنا رحمهم الله تعالى كما في فتوى مولانا احمد على المحدث السهارنفورى تلميذ الشاه محمد اسحق الدهلوى ثم المهاجر المكي ننقله مترجماً لتكون نمونة عن الجميع۔

سئل هو رحمه الله تعالى عن مجلس الميلاد بأى طريق يجوز وبأى طريق لا يجوز؟

فاجاب بان ذكر الولادة الشريفة لسيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بروايات صحيحة فى اوقات خالية عن وظائف العبادات الواجبات وبكيفيات لم تكن مخالفة عن طريقة الصحابة واهل القرون الثلاثة المشهود لها بالخير وبالا اعتقادات التى موهمة بالشرك والبدعة وبالأداب التى لم تكن مخالفة عن سيرة الصحابة التى هى مصداق قوله عليه السلام ما انا عليه واصحابى۔ وفى مجالس خالية عن

المنكرات الشرعية موجب للخير والبركة بشرط ان يكون مقروناً
 بصدق النية والاخلاص واعتقاد كونه داخلًا في جملة الاذكار الحسنة
 المندوبة غير مقيد بوقت من الاوقات فاذا كان كذلك لانعلم احداً من
 المسلمين ان يحكم عليه بكونه غير مشروع او بدعة الى آخر الفتوى۔
 فعلم من هذا اننا لاننكر ذكر ولادته الشريفة بل ننكر على الامور
 المنكرة التي انضمت معها كما شتموها في المجالس المولودية التي
 في الهند من ذكر الروايات الواهيات الموضوعة، واختلاط الرجال
 والنساء والاسراف في ايقاد الشموع والتزيينات واعتقاد كونه واجباً
 بالطعن والسب والتكفير على من لم يحضر معهم مجلسهم وغيره من
 المنكرات الشرعية التي لا يكاد يوجد خالياً منها فلو خلى من المنكرات
 حاشان نقول ان ذكر الولادة الشريفة منكر و بدعة وكيف يظن بمسلم
 هذا القول الشنيع فهذا القول علينا ايضاً من افتراءات الملاحدة الدجالين
 الكذابين خذلهم الله تعالى ولعنهم براً وبحراً سهلاً وجبلاً۔

ترجمہ: حاشا! کہ ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی
 ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے
 پیشاب کا تذکرہ بھی فبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہے۔ وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ ﷺ
 سے ذرا سا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ
 کا مستحب ہے، خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو، یا آپ ﷺ کے بول و براز، نشست
 و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو، جیسا کہ ہمارے رسالہ ”برائین قاطعہ“
 میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتویٰ میں مسطور ہے۔

چنانچہ شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی مہاجر مکی کے شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا فتویٰ عربی میں ترجمہ کر کے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ سب کی تحریرات کا نمونہ بن جائے۔

مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقہ سے ناجائز؟ تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ:

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجبہ سے خالی ہوں، ان کیفیات سے جو صحابہ کرام اور ان اہل قرون ثلاثہ کے طریقہ کے خلاف نہ ہوں جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت نے دی ہے، ان عقیدوں سے جو شرک و بدعت کے موہم نہ ہوں، ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرت کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد ”ما نانا علیہ واصحابی“ کی مصداق ہے، ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں، سبب خیر و برکت ہے۔ بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جاوے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اذکارِ حسنہ کے ذکرِ حسن ہے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا الخ۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ہم ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات، موضوع روایات بیان ہوتی ہیں، مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہوں اس پر طعن و تکفیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور منکرات شرعیہ ہیں جن سے شاید ہی کوئی مجلس میلاد

خالی ہو۔ پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہو تو حاشا! کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیوں کر گمان ہو سکتا ہے؟ پس ہم پر یہ بہتان جھوٹے، ملحد، دجالوں کا افتراء ہے۔ خدا ان کو رسوا کرے اور ملعون کرے، خشکی و تری، نرم و سخت زمین میں۔

(ص ۶۴ تا ۶۷ ط ادارہ اسلامیات لاہور)

”المہند“ کے جواب میں ذکر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ اہل حق علماء دیوبند جس ذکر ولادت شریفہ کو بدعت قرار دے کر اس سے منع فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جس میں منکرات شامل ہوں یا وقت کی قید ہو، جو چیز شرعاً ضروری نہ ہو اس کو ضروری قرار دینا یقیناً شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو آپ ﷺ نے یہ تین بار ارشاد فرمایا اور تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے۔“

اور یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔ محققین کے نزدیک اگر کسی غیر ضروری چیز کے ساتھ ایسا طرز عمل رکھا جائے جس سے اس کے ضروری سمجھنے کا شبہ ہوتا ہو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔

ذکر ولادت شریفہ بلاشبہ مندوب مباح یا مستحب کے درجہ میں ہے اس میں اگر کوئی قید نہ لگائی جائے اور کسی منکر کا انضمام بھی نہ ہو تو یقیناً یہ مندوب اور مستحب ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے جیسا کہ ”المہند“ کی عبارت میں اس کی تصریح ہے لیکن اگر اس میں مفاسد کا انضمام ہو یا قیودات کو اس کے ساتھ لازم قرار دے دیا جائے تو پھر یہ بدعت ہوگا اور اس سے منع کیا جائے گا۔

آج کل ربیع الاول کے مہینہ میں ”میلاد کا جشن“ جس طرح منایا جاتا ہے اور جس طرح جلوس نکالے جاتے ہیں اور ”عید میلاد النبی ﷺ“ کے نام سے مخلوط اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے اور اس میں بے محابا خلاف شریعت امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اگر کوئی اہل علم ان تمام مفاسد کے انضمام کی وجہ سے اس طرح ذکر کرنے کو اصول شریعت کی روشنی میں منع کرتا ہے تو اسے نہ صرف اپنا مخالف بلکہ (معاذ اللہ) گستاخ رسول تک قرار دینے میں کوئی تاثر نہیں کیا جاتا، والی اللہ المشتکی۔ حالانکہ ہم بڑی تفصیل اور صراحت کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ نفس ذکر رسول ﷺ اور آپ کے جمیع احوال کا ذکر عبادت اور ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقائق کو سمجھنے اور اتباع شریعت کی توفیق عطا فرمائیں، بدعات، رسومات سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

میلاد کی شرعی حیثیت سے قطع نظر ربیع الاول کے مروجہ جلوس اور ”جشن میلاد النبی“ کے نام سے منعقد ہونے والے پروگرام کس حد تک پہنچ چکے ہیں اور ان کے امت مسلمہ پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں، یہ ہم سب کو سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں عہد حاضر کے محقق اور اسلامی سکالر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک فکر انگیز مضمون ماہنامہ ”البلاغ“ کے شکریہ کے ساتھ اس شمارہ میں شامل اشاعت ہے۔ امید ہے کہ اسے اسی جذبہ کے تحت پڑھا جائے گا

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

فقط احقر عبدالقدوس ترمذی

۲۸/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

یکم جنوری ۲۰۱۴ء

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

ایمان و اسلام کا خلاصہ اور اس کا عطر

عن سفیان بن عبد اللہ الثقفی قال قلت یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسأل عنه احداً بعدک (وفی رواية غیرک) قال قل امنت باللہ ثم استقم۔
سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسلام کے بارہ میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی سے اس بارہ میں کچھ نہ پوچھوں، آپ نے ارشاد فرمایا کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔ (مسلم)
تشریح

مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا الہ اور رب مان کر اپنے کو بس اس کا بندہ بنادو، اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث ”جوامع الکلم“ میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے، ایمان باللہ اور اس پر استقامت ہی اسلام کی غرض و غایت بلکہ اس کی روح ہے، ایمان باللہ کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبریل کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے، اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہنا اور ہمیشہ اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل

اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے، اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لیے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی لیے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے: الاستقامة خير من الف كرام۔ یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔ بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اس کی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی، اور بس وہی انسان کے لیے کافی ہے، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ،
اولئك اصحاب الجنة خالدين فيها جزاء بما كانوا يعملون۔

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اس کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے، تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ ان کو رنج و غم ہوگا وہ سب جنتی ہیں اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

بلکہ ”ارجاع السنۃ الی الکتاب“ کے اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔

بعض ائمہ اور علماء محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط ہوتے تھے، اور آپ کے ہر ارشاد کا مرجع و ماخذ قرآن پاک میں تلاش کیا جاسکتا ہے، ائمہ سلف میں سے حضرت سعید بن جبیر اور حضرت امام شافعی سے بھی یہ رائے نقل کی گئی ہے اور ہمارے علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ نے ”خیر کشیر“ میں یہی رائے ظاہر فرمائی ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس طرح پر غور کیا تو کتاب الصلوٰۃ کی تمام احادیث کا مرجع اور ماخذ قرآن پاک میں مجھے مل گیا۔ کاش! شاہ صاحب اس کام کو مکمل کر جاتے..... (معارف الحدیث ص ۱۶۶)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام: بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

فرمایا حضرت حاجی صاحب کے زمانہ میں تھانہ بھون میں ایک بی بی تھیں، ذکر و شغل تھیں، بعض بزرگوں میں احتیاط زائد ہوتی ہے اور بعض میں حسن ظن کی بنا پر توسع ہوتا ہے، حضرت حافظ صاحب میں احتیاط بہت تھی، ان بی بی نے حضرت حاجی صاحب سے ”القول الجلیل“ مانگ بھیجا، حضرت کے اخلاق تھے کہ دینے کیلئے آمادہ ہو گئے، حافظ صاحب کے کان میں بھی یہ بات پڑ گئی، حضرت سے تو کچھ نہ کہا، آنے والے کو ڈانٹا کہ جاؤ کتاب نہیں ملتی اور اس طرح کہا کہ حضرت کو بھی سنا دیا، حضرت نے کتاب رکھ لی اور پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ عورتوں میں بیٹھ کے پُر غے گی (یعنی اس کی باتیں بیان کرے گی جس سے اپنی شان ظاہر ہوگی) مگر حضرت سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت کے یہاں بہت وسعت تھی کچھ نہیں فرماتے تھے، کسی پر بھی طعن و تشنیع نہیں فرماتے تھے، ہم طالب علم جن درویشوں پر کفر کے فتوے دیتے تھے اس کے متعلق فرماتے تھے کہ کسی باطنی غلطی میں مبتلا ہو گیا ہے۔

فرمایا راجوپور (ضلع سہارنپور) کے ایک شخص ہیں محمد علی خان جو مولوی جمیل کے ماموں ہوتے ہیں، انہوں نے کسی سے سنا ہوگا خود تو حضرت کے زمانہ میں نہ تھے، بیان کرتے تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا گنگوہی حج کو چلے، جہاز میں کسی مسئلے میں گفتگو ہو گئی، مولانا گنگوہی تو دریا کو کوزہ میں بند کرتے تھے اور مولانا محمد قاسم صاحب کوزہ سے دریا کو نکالتے تھے، دونوں بہت ہی ذہین تھے، طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی مدرسہ میں ان دونوں صاحبوں کی گفتگو ہوتی تھی تمام لوگ جمع ہو جاتے تھے، ایک صاحب کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا پھر دوسرے صاحب کی گفتگو سن کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح اسی میں سے بات

نکال کر جواب دے دیا اور یہ معلوم ہوتا کہ اب اس کا جواب نہیں ہو سکتا، اسی طرح سلسلہ چلا کرتا تھا۔ غرض سفر میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور نہ یہ بند ہوئے نہ وہ، جب بہت دیر ہو گئی تو مولانا محمد قاسم صاحب نے کہا بس مولوی صاحب اب رہنے دیجئے، ہم تو حضرت کے یہاں جا رہے ہیں وہاں اس کا فیصلہ کرالیں گے، مولانا گنگوہی نے کہا کہ حضرت کا ان باتوں سے کیا تعلق یہ علمی باتیں ہیں، مولانا محمد قاسم صاحب نے کہا کہ اگر حضرت کو ان باتوں سے تعلق نہیں تو ہم نے ناحق ان کا دامن پکڑا، جب حضرت کے یہاں پہنچے تو مولانا گنگوہی تو اس لئے خاموش رہے کہ وہ مسئلہ طالب علمانہ تھا اور مولانا محمد قاسم اس لئے خاموش رہے کہ وہ حضرت کے سامنے بولا نہیں کرتے تھے خاموش بیٹھے رہا کرتے تھے، غرض دونوں خاموش رہے کسی نے نہ پوچھا مگر حضرت نے ہی ایک مضمون کے ذیل میں اس مسئلہ کی تقریر فرمائی اور پھر اس میں اختلاف نقل فرمایا اور پھر فرمایا کہ اس میں فقیر کی رائے یہ ہے تو مولانا گنگوہی متحیر رہ گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب تو جانتے ہی تھے ان کو کچھ تعجب نہیں ہوا۔ مولانا محمد قاسم صاحب کا یہ جملہ کہ ”اگر حضرت کو ان باتوں سے تعلق نہیں ہے تو ہم نے ناحق ان کا دامن پکڑا“ کس قدر یقین اور عشق میں ڈوبا ہوا ہے۔

فرمایا مولانا شیخ محمد صاحب اور حاجی صاحب میں مثنوی کے ایک شعر میں اختلاف ہوا، مولانا نے علمی دلائل سے حاجی صاحب کو خاموش کر دیا، حاجی صاحب نے حضرت مولانا روم کو خواب میں دیکھا تو اس شعر کا مطلب پوچھا، آپ نے وہی فرمایا جو حاجی صاحب کہتے تھے، صبح کو مولانا کو واقعہ سنایا، کہنے لگے خواب و خیال کا کیا اعتبار ہے، ذہن میں یہی مطلب جما ہوا تھا یہی نظر آ گیا، پھر حضرت خلوت میں تھے اور مولانا مثنوی پڑھا رہے تھے، اتفاق سے وہی شعر آ گیا تو مولانا نے اس شعر کا مطلب وہی بیان کیا جو حاجی صاحب فرماتے تھے، حضرت بے اختیار حجرہ سے نکل آئے اور کہا کیوں مولانا یہ تو خواب و خیال تھا، مولانا نے کہا کہ مطلب تو وہی ہے جو آپ فرماتے تھے یہ تو میری طالب علمانہ بحث تھی۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم (آخری قسط ۲)

بعثت انبیاء کی ضرورت اور مشروعیت جہاد فی سبیل اللہ کی حکمت

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا حق تعالیٰ جلّ وعلی شانہ کی ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ ہر بن موکی اگر زبان بن جائے تو بھی کسی طرح اس نعمت کبریٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، اگر ان حضرات کا وجود نہ ہوتا اللہ جلّ شانہ کی ذات و صفات کی ہم گمراہوں کو کون ہدایت کرتا اور مولائے حقیقی کی مرضیات اور نامرضیات سے ہم کو کون آگاہ کرتا، اور اس معبود برحق کی عبادت اور بندگی کے طریقے کون سکھاتا، ہدایت اور ضلالت، سعادت اور شقاوت کا فرق کون سمجھاتا، معاش اور معاد اور دین اور دنیا فقیری اور حکمرانی اور عدل عمرانی کی راہیں ہم کو کون سمجھاتا، مسجد کا امام بھی ہو اور امیر مملکت بھی ہو یہ امر سوائے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہیں بتا سکتا، ہماری ناقص عقلیں بغیر نور نبوت کی راہنمائی اور ہدایت کے بالکل معطل اور بے کار ہیں، نور عقل و بصیرت سے حق و باطل کا فرق جب ہی نظر آ سکتا ہے کہ جب نور نبوت اور شمع ہدایت اس کی ہادی اور راہنما ہو ضلالت و گمراہی کی شب تاریک میں عقل کی روشنی کام نہیں دیتی اس کے ساتھ نور نبوت کی ضرورت ہوتی ہے، عقل بھی اگرچہ حجت ہے مگر نامتام ہے، حجت تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کے دائمی عذاب و ثواب اور جزا و سزا کا مدار ہے، عقل محض خداوند ذوالجلال کے اسماء حسنیٰ اور صفات اعلیٰ اور اس کی مرضیات اور نامرضیات کو بغیر حضرات انبیاء علیہم الف الف صلوات اللہ کی تعلیم و ارشاد کے ہرگز نہیں پہچان سکتی۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلہ بعثت انبیاء علیہم السلام کا آغاز فرمایا اور آپ کے بعد بندوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بھیجے تاکہ لوگوں کو مولائے حقیقی کی اطاعت کی دعوت دیں اور اس کی نافرمانی سے روکیں، مطیع اور فرمانبرداروں کو جنت کی بشارت سنائیں، نافرمانوں اور سرکشوں کو جہنم سے ڈرائیں، جو سعید اور خوش نصیب تھے انہوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر کی اور خود کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے فرمودات اور ارشادات کے تابع کر دیا، اور جو بے نصیب تھے انہوں نے اس نعمت کبریٰ کی ناقدری کی اور احکامات شرعیہ اور اوامر الہیہ کی بجا آوری کی بجائے نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور اغوائے شیطانی سے انبیاء علیہم السلام کے انکار و تکذیب بلکہ دشمنی اور مقابلہ پر اتر آئے، انبیاء علیہم السلام عرصہ دراز اور مدت مدید تک ان کو شفقت و مہربانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے اور اپنی مخلصانہ نصائح اور متفقانہ مواعظ سے امت کی اصلاح میں سعی بلیغ کرتے رہے، مگر بد نصیب اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کے بجائے دور ہی ہوتے چلے گئے۔ جب ان سرکشوں کی شرارت بڑھتی چلی گئی اور خدا تعالیٰ کے پرستاروں کو خدا تعالیٰ قدوس کا نام لینا دشوار ہو گیا اور انبیاء اللہ اور ان کے اصحاب اور تبعین کے تکلیف اور تعذیب اور استہزاء اور تمسخر پر تل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں طرح طرح کے عذاب نازل فرمائے، عذابوں سے مومنین کو تو بچایا اور منکرین و مکذبین کو ہلاک و برباد کیا۔

غرضیکہ جب سے خداوند عالم کی نافرمانی اور اس احم الحاکمین اور ناسبین یعنی انبیاء مرسلین صلوٰۃ اللہ السلام اجمعین سے بغاوت اور سرکشی کا سلسلہ جاری ہے اسی وقت سے ان مکذبین کی تعذیب اور بربادی اور قسم قسم کے عذابوں سے انکی ہلاکت اور رسوائی کا سلسلہ بھی جاری ہے جو عین حکمت اور عین مصلحت ہے۔

پس جس طرح پہ آسمانی اور زمینی ملائکہ اللہ کے ہاتھوں سے دیا جاتا تھا اور عین حکمت و مصلحت تھا اسی طرح خود حضرات انبیاء و مرسلین اور ان کے اصحاب و متبعین کے ہاتھوں سے بھی منکرین اور مکذبین کو عذاب دینا عین حکمت و صواب ہے اور جہاد میں یہی ہوتا ہے کہ منکرین مکذبین کو انبیاء اور ان کے متبعین کے ہاتھوں عذاب اور سزائیں مبتلا کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قاتلوهم یعدہم اللہ بایدیکم (پ ۱۰) ان سے قتال کرو تا کہ اللہ ان کو عذاب دے تمہارے ہاتھوں سے۔ بلکہ فرشتوں کی بجائے انسانوں کے ہاتھوں سے جہاد و قتال کی شکل میں عذاب الہی کا ظہور ایک خاص رحمت ہے، اس لیے کہ فرشتوں کے ذریعہ سے جن امتوں کو ہلاک کیا گیا ان کو مہلت نہیں ملی اور جن امتوں سے انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین نے جہاد و قتال کیا ان کو مہلت ملی، چنانچہ بہت سے لوگوں نے تائید ربانی اور حمایت رحمانی دیکھ کر حق کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور حق کو قبول کر لیا۔

مشروعیت جہاد کی ایک اور حکمت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولو یشاء اللہ لا ینتصر منهم ولکن لیلو بعضکم ببعض۔ (سورۃ محمد پ ۲۶) اگر اللہ چاہتا تو ان سے (خود ہی آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ) انتقام لے لیتا پر چاہنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو۔

اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی سزا کچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی، امت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا ہے مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عذابوں سے بچالیا گیا اور اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت

عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں، اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد، عورت، بچے، سبھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں، مرد بھی صرف وہی اس کی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والوں کے مقابلہ پر قتال میں آکھڑے ہوں، پھر اس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے ان میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد و قتال کے دو نوں فریق مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جمار ہوتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔ (معارف ص ۳۰ ج ۸)

مشروعیت جہاد بھی نبی رحمت ﷺ کی عالمگیر رحمت کا ہی ایک رحیمانہ پہلو ہے سابقہ تحریر سے اجمالی طور پر مشروعیت جہاد کی ضرورت اور بعض حکمتوں کا علم ہو کر ناظرین پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ اسلام میں جہاد کی مشروعیت بھی نبی رحمت کی عالمگیر رحمت کا ہی ایک رحیمانہ پہلو ہے، اور یہ بھی آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین کی وسعت اور ہمہ گیری ہی کا کرشمہ ہے، کہ پہلی امتوں پر ہلاکت کی جو مختلف صورتیں بطور عذاب کے آیا کرتی تھیں ان کی بجائے جہاد و قتال کی شکل میں عذاب الہی کا ظہور ہوا۔

اول تو پہلے عام عذابوں کی بہ نسبت جہاد کی مشروعیت ہی ایک خاص رحمت ہے، پھر عین جہاد بھی اپنے مخالف برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ رحم کا سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے مثلہ وغیرہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی اور فتح حاصل کرنے کے بعد بھی کافروں کو اپنے مذہب پر رہتے ہوئے اس سایہ رحمت میں زندگی بسر کرنے کی اجازت اسلام نے دی ہے۔

اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے ساتھ سلوک

غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں رہتے ہوں وہ از روئے احکام اسلام عدالتی اور شہری احکام میں مسلمانوں کے برابر ہیں ان کی جان اور مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری اور اس کا فرض ہے بشرطیکہ وہ غداری اور خفیہ سازشیں نہ کریں دشمن اور غیر دشمن محارب و غیر محارب کے احکام میں فرق کرنا تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ)

غرضیکہ کفر و شرک کو مٹانے کیلئے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلہ میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے جس کے ذریعہ سرکشوں کو ہوش آ کر ایمان عمل صالح کا پابند ہو جانے کی امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انا رحمة مہدۃ یرفع قوم و خفض آخرین۔ (ابن کثیر) میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ تعالیٰ کے ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کر دوں اور دوسری کو قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں) کو پست کر دوں۔

مشروعیت جہاد کی ایک اور حکمت

قرآن کریم میں جہاد و قتال کی حکمت کا اور اس کا بیان ہے کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں پچھلے انبیاء اور انکی امتوں کو بھی قتال کفار کے احکام دئے گئے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خبر نہ تھی سارے ہی دین و مذہب اور ان کی عبادت گاہوں کو گرا دیا جاتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع و صلوات و مسجدا لایۃ (پ ۱۷) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانہ اور عبادت

خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال کے احکام نہ آتے اور جہاد مشروع نہ ہوتا تو کسی زمانہ میں بھی کسی مذہب و ملت کیلئے امن کی جگہ نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ جہاد کی مشروعیت کی ایک حکمت امن عالم کا قیام اور تحفظ شعائر اسلام بھی ہے تاکہ مسلمان عزت کیساتھ زندگی بسر کریں اور امن و عافیت کیساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کرنے میں کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے، اسلام کافروں کی ایسی شوکت و غلبہ کا مخالف ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو اور ان کی عزت نفس اس سے مجروح ہوتی اور مذہبی آزادی میں خلل آنے کا خطرہ، ہو اسی لئے وقتاً تو لوہم حتی لا تکن فتنۃ ویكون الدین کلہ للہ (پ ۹) میں فتنہ سے کفر کی قوت و شوکت کا فتنہ مراد ہے۔ اور ویكون الدین کلہ للہ سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے اسی کو دوسری آیت لیظہرہ علی الدین کلہ، میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے، اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔

حضرت اقدس آنحضرت ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو نہایت وسیع ہے حقیقت جہاد اور اغراض کے علاوہ جہاد کے اقسام اقدامی، دفاعی، اسلام اور جبر، اور مسئلہ غلامی وغیرہ مختلف عنوانوں پر پھیلا ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت دلیل نبوت ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صورت اور سیرت اور آپ ﷺ کے بے مثال اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ و جمیلہ، اور آپ ﷺ کے کمالات علمیہ و عملیہ میں اہل عقل کے لیے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ ﷺ کی صورت اور سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداهت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق

اور ایسے اعمال اور ایسے کمالات علمیہ و عملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سنے ہوں وہ ذات بلاشبہ برگزیدہ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صورت اور سیرت پر پیدا کیا ہے۔

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید او
(از حضرت علامہ محمد انور شاہ لکھنوی رحمہ اللہ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ آمین

کتبہ الاحقر الافقر السید عبدالشکور الترمذی
الراجی رحمۃ ربہ الغفور الرحیم بشفاعۃ نبیہ الکریم
والہ اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین
۵ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۱ء

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ منانے کا رواج کچھ عرصہ سے چلا آ رہا ہے، جبکہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ میں اس عید کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ملتی، لہذا اس رسم کی حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہئے۔ مسلمانوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ان رسمی مظاہروں کی بجائے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور ایک دن میں عید میلاد النبی منا کر فارغ ہو جانے کے بجائے اپنی پوری زندگی کو آپ ﷺ کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کریں۔

یہ علماء دیوبند اور علماء اہل حدیث کا موقف تھا اور بریلوی مکتب فکر کے حضرات اس سے اختلاف کرتے تھے لیکن اب چند سالوں سے جو صورت حال سامنے آرہی ہے اس میں یہ مسئلہ صرف دیوبندی مکتب فکر کا نہیں رہا، بلکہ ہر اس مسلمان کا مسئلہ بن گیا ہے جو سرور کائنات ﷺ کی عظمت و محبت اور حرمت و تقدیس کا کوئی احساس اپنے دل میں رکھتا ہو، اب صرف علماء دیوبند اور علماء اہل حدیث ہی کو نہیں بلکہ علماء بریلی کو بھی اس پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ ”جشن عید میلاد النبی“ کے نام پر یہ قوم دینی تباہی کے کس گڑھے کی طرف جا رہی ہے کیوں کہ جن حضرات نے ابتداء میں محفل میلاد وغیرہ کو مستحسن قرار دیا تھا ان کے چشم تصور میں بھی غالباً وہ باتیں نہیں ہوں گی جو آج ”جشن میلاد النبی“ کا جزو لازم بنتی جا رہی ہیں۔

موجودہ محافل میلاد

شروع میں محفل میلاد کا تصور ایک ایسی مجلس کی حد تک تھا جس میں سرور کائنات ﷺ

کی ولادت باسعادت کا بیان کیا جاتا ہو۔ لیکن انسان کا نفس اس قدر شریر واقع ہوا ہے کہ جو کام وحی کی رہنمائی کے بغیر شروع کیا جاتا ہے وہ ابتداء میں خواہ کتنا مقدس نظر آتا ہو لیکن رفتہ رفتہ اس میں نفسانی لذت کے مواقع تلاش کر لیتا ہے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر چھوڑتا ہے۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کے مقدس نام پر جو کچھ ہونے لگا ہے اسے دیکھ کر اور سن کر پیشانی عرق عرق ہو جاتی ہے۔

ہر سال ”عید میلاد النبی“ کے نام سے کراچی میں ظلم و جہالت کے ایسے ایسے شرمناک مظاہرے کیے جاتے ہیں کہ ان کے اور ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا جاتا ہے، اور وہاں تقریباً تمام ہوٹلوں میں عید میلاد النبی ﷺ اس طرح منائی جاتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر لگا کر بلند آواز میں شب و روز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہتا ہے۔ بہت سے سینماؤں میں عید میلاد النبی کی خوشی میں سینکڑوں بلب لگا کر ان اخلاق سوز اور برہنہ تصویروں کو اور نمایاں کر دیا جاتا ہے جو اپنی ہر ہر اداسے سرکارِ دو عالم ﷺ کے احکام کی نافرمانی کی برملا دعوت دیتی ہیں۔ اور ان ہی مقامات انسانیت کی تصویروں کے سائے میں شاید تبرک کے خیال سے خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کی تصویریں بھی چسپاں کر دی جاتی ہیں، قدم قدم پر روضہ اطہر اور مسجد نبوی کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی جاتی ہیں، جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر ”خیر و برکت“ حاصل کر رہی ہیں اور جب پورے محلہ کو روشنیوں میں نہلا کر جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے اور قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر ایک میلے کا سماں پیدا کر دیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کودیکھنے کے لیے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور (معاذ اللہ) تعظیم رسول (ﷺ) کا ثواب بھی۔ چنانچہ راتوں کو دیر تک یہاں تفریح باز مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا مخلوط

اجتماع ہوتا ہے جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوتی ہے۔
 راقم الحروف ایک روز ایک محلے سے گزرتے ہوئے یہ دلہ وز منظر اپنی آنکھوں سے
 دیکھ رہا تھا اور قرآنی تعلیم کے تصور سے روح کانپ رہی تھی کہ کیا محبت کا تقاضا یہی ہے؟
 واقعہ یہ ہے کہ اس محلے سے گزرتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خاتم النبیین ﷺ
 کا لایا ہوا دین پکار پکار کر یہ فریاد کر رہا ہے کہ محمد عربی ﷺ کے احسانات کا بدلہ یہی ہے کہ ان
 کی محبت و عظمت کے نام پر ان کی ایک ایک تعلیم کو جھٹلاؤ؟ ان کے ایک ایک حکم کی نافرمانی
 کرو؟ اور ان کی یاد منانے کے بہانے جاہلیت کی ان تمام رسموں کو زندہ کر کے چھوڑ دو جنہیں
 اپنے قدموں تلے روندنے کے لیے آپ ﷺ تشریف لائے تھے؟۔ خدا کے لیے سوچو! کہ
 جس ذات کو ساز و رباب اور چنگ و بربط توڑنے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، اس کے جشن
 ولادت میں ساز و رباب سے کھیل کر تم کس غضب الہی کو دعوت دے رہے ہو؟ جس ذات
 نے عورت کے سر پر عفت و عصمت کا تاج رکھا تھا اور جس نے اس کے گلے میں عزت
 و آبرو کے ہار ڈالے تھے، اس کی محبت و تقدیس کے نام پر تم عورت کو بے پردگی اور بے حیائی
 کے کس میلے میں کھینچ لائے ہو؟ جس ذات ﷺ نے نام و نمود، ریا و نمائش، اسراف اور تبذیر
 کے تمام جذبات کو فنا کر کے قناعت و سادگی، ایثار و تواضع اور جہد و عمل کی تعلیم دی تھی اس کی
 یاد میں اسراف و تبذیر کی یہ نمائش منعقد کر کے تم کس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر
 دین کی کوئی صحیح خدمت تم سے نہیں ہو سکتی، اگر تم اپنی عام زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں
 کو ترک نہیں کر سکتے، اگر محمد عربی ﷺ کی تعلیمات تمہارے عیش پرست مزاج کو بار معلوم
 ہوتی ہیں تو تمہاری زندگی کے بہت سے شعبے اس عیش پرستی کے لیے کافی ہیں، خدا کے لیے
 اللہ کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کے نام پر ہوا و ہوس کا یہ بازار لگا کر اس نبی رحمت کی تعلیمات
 کا مذاق تو نہ اڑاؤ جس کی تقدس اور پاکیزگی کے آگے فرشتوں کی گردنیں بھی خم ہو جاتی

ہیں۔ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ رسول کریم ﷺ کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرنے کے بعد تم کس چیز کی خوشی میں اپنے در و دیوار پر چراغاں کر رہے ہو؟ کیا تمہیں اس بات کی خوشی ہے کہ چودہ سو سال کی اس مدت میں تم نے اپنی عملی زندگی میں اس دین برحق کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں رکھی؟

لیکن عیش و نشاط کی گونجتی ہوئی محفلوں میں کون تھا جو دین مظلوم کی اس فریاد کو سن سکتا؟۔

دین کی اصل تعلیمات سے دوری

جن لوگوں کا مقصد ہی اس قسم کے ہنگاموں سے عیش و نشاط کا سامان پیدا کرنا ہے، ان کا کوئی ذکر ہی نہیں لیکن جو لوگ واقعہ آنحضرت ﷺ کی تعظیم و محبت ہی کے خیال سے اس قسم کے جشن مناتے ہیں وہ بھی یہ بات فراموش کر جاتے ہیں کہ اسلام اور اکابر اسلام نے دوسرے مذاہب کی طرح رسمی مظاہروں میں الجھنے کی بجائے زندگی کے اصلی مقصد کی طرف متوجہ کیا ہے جس کے لیے یہ اکابر اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ورنہ اگر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ان رسمی مظاہروں میں الجھ جاتا تو آج ہم اس بات پر فخر محسوس نہ کر سکتے کہ ہمارا دین بفضلہ تعالیٰ اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں آنحضرت ﷺ اسے لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی مذہب کے پیروکار محض ظاہری رسموں اور نمائشوں میں الجھ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ مذہب کی اصل تعلیمات مٹی چلی جاتی ہیں اور بالآخر بے جان رسوم کا ایک ایسا ملغوبہ باقی رہ جاتا ہے جس کا انجام نفسانی خواہشات کی حکمرانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور جو مادہ پرستی کی بدترین شکل ہے۔ ان تمام تقریبات کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان کے ذریعہ وہ خاص شخصیت یا وہ خاص واقعہ ذہن میں تازہ ہو جس کی یاد میں

وہ تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔ اور پھر اس سے اپنی زندگی میں سبق حاصل کیا جائے لیکن انسان کا نفس بڑا شریر واقع ہوا ہے، اس نے ان تہواروں کی اصل روح کو تو بھلا کر نابود کر دیا اور صرف وہ چیزیں لے کر بیٹھ گیا جس سے لذت اندوزی اور عیش پرستی کی راہ کھلتی تھی۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو سکے گی۔

عیسائیوں کا کرسمس

عیسائی قوم میں ہر سال ۲۵ دسمبر کو جشن مناتی ہیں۔ یہ جشن دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جشن ولادت ہے اور اس کی ابتداء اسی مقدس انداز میں ہوئی تھی کہ اس دن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو یاد کیا جائے گا۔ چنانچہ ابتداء میں اس کی تمام تقریبات کلیسا میں انجام پاتی تھیں اور ان میں کچھ مذہبی رسوم ادا کی جایا کرتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ اس جشن کا سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا؟ اس کی مختصر داستان جشن و تقریبات کی ایک ماہر مصنفہ میر ہنیر لٹائن سے سنئے وہ ”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ کے مقالہ ”کرسمس“ میں لکھتی ہیں:

”کئی صدیوں تک کرسمس خالصہً ایک کلیسا کا تہوار تھا، جسے کچھ مذہبی رسوم ادا کر کے منایا جاتا تھا لیکن جب عیسائی مذہب بت پرستوں کے ممالک میں پہنچا تو اس میں ”سرمائی نقطہ انقلاب“ کی بہت سی تقریبات شامل ہو گئیں اور اس کا سبب گریگوری اعظم (اول) کی آزاد خیالی اور اس کے ساتھ مبلغین عیسائیت کا تعاون تھا اس طرح کرسمس ایک ایسا تہوار بن گیا جو بیک وقت مذہبی بھی تھا اور لادینی بھی اس میں تقدس کا پہلو بھی تھا اور لطف اندوزی کا بھی۔“

بات کہاں سے کہاں تک پہنچی

اب کرسمس کس طرح منایا جانے لگا؟ اس کو بیان کرتے ہوئے میری ہنیر لٹائن لکھتی ہیں:

”رومی لوگ اپنی عبادت گاہوں اور اپنے گھروں کو سبز جھاڑیوں اور پھولوں سے سجاتے تھے، ڈرائٹس (پرانے زمانے کے پادری) بڑے تزک و احتشام سے امر بیلین جمع کرتے اور اسے اپنے گھروں میں لٹکاتے، سیکسن قوم کے لوگ سدا بہار پودے استعمال کرتے“۔
انہوں نے آگے بتایا ہے کہ:

”کس طرح شجر کرسمس (CHRISHMAS TREE) کا رواج چلا، چراغاں اور آتش بازی کے مشغلے اختیار کئے گئے، قربانی کی عبادت کی جگہ شاہ بلوط کے درخت نے لے لی، مذہبی نغموں کی جگہ عام خوشی کے نغمے آ گئے اور موسیقی کرسمس کا ایک عظیم جزو بن گئی“۔

مقالہ نگار آگے رقم طراز ہے:

”اگرچہ کرسمس میں زیادہ زور مذہبی پہلو پر دیا گیا تھا، لیکن عوامی جوش و خروش نے نشاط انگیزی کو اس کے ساتھ شامل کر کے چھوڑا“۔ اور پھر ”گانا بجانا، کھیل کود، رقص ناٹک بازی اور پریوں کے ڈرامے تقریبات کا حصہ ہو گئے“۔

ایک طرف کرسمس کے ارتقاء کی یہ مختصر تاریخ ذہن میں رکھیے اور دوسری طرف اس طرز عمل پر غور کیجئے جو چند سالوں سے ہم نے جشن عید میلاد النبی ﷺ منانے کے لیے اختیار کیا ہوا ہے، کیا اس سے یہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوتی کہ عیسائیوں کی راہ کو تو می رومی بترکستان است صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور قربانیاں

اسلام اس عالم الغیب کا مقرر کیا ہوا دین ہے، جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے اور جس کے علم محیط کے آگے ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں بے معنی ہیں وہ نفس انسانی کی ان فریب کاریوں سے پوری طرح واقف ہے جو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کو گمراہ کرتی ہیں اس لیے خاص خاص واقعات کی یادگار قائم کرنے کے لیے ان

تمام طریقوں سے پرہیز کا حکم دیا ہے جو ان کی اصل روح کو فنا کر کے انہیں عیش و عشرت کی چند ظاہری رسوم کا بہانہ بنا سکتے ہوں۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین کے دور میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت جیسے عظیم الشان واقعہ کا کوئی دن منایا ہو۔ اس کے برخلاف ان کی تمام تر توجہات آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو اپنانے اور آپ کے پیغام کو پھیلانے کی طرف مرکوز رہیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آج چودہ سو سال گزرنے پر بھی ہم مسلمان بیٹھے ہیں اور اگر اسلام پر عمل کرنا چاہیں تو یہ دین ٹھیک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک پہنچایا تھا۔

غیروں کی مشابہت سے بچنے کی تاکید

لہذا اگر ہم اپنے اسلاف کے اس طرز عمل کو چھوڑ کر غیر مسلم اقوام کے دن منانے کے طریقے کو اپنائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دین کے نام پر کھیل تماشوں کے اسی راستے پر جا رہے ہیں جس سے اسلام نے بڑی احتیاط اور تدبیر کے ساتھ ہمیں بچایا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقوام کی مشابہت سے پرہیز کرنے کی جابجا انتہائی تاکید کے ساتھ تلقین کی ہے۔ انتہاء یہ ہے کہ عاشورہ محرم کا روزہ جو ہر اعتبار سے ایک نیکی ہی نیکی تھی اس میں یہودیوں کی مشابہت سے بچانے کے لیے حکم دیا گیا کہ صرف دس تاریخ کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ نو یا گیارہ تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے تاکہ مسلمانوں کا روزہ عاشورہ یہودیوں سے ممتاز ہو جائے۔

غور فرمائیے کہ جس دین حنیف نے اس باریک بینی کے ساتھ غیر مسلم اقوام کی تقلید بلکہ مشابہت سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کا یوم پیدائش منانے کے لیے ان اقوام کی نقالی شروع کر دی جائے جنہوں نے اپنے دین کو بگاڑ بگاڑ کر کھیل تماشوں میں تبدیل کر دیا ہے؟

خیر خواہانہ گزارش

مذکورہ بالا تمام حقائق کے پیش نظر ہم اپنے ملک کے تمام علماء، دینی رہنماؤں، مذہبی جماعتوں اور بااثر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں، ہماری یہ اپیل صرف اہل حدیث اور دیوبندی مکتب فکر کے حضرات کی حد تک محدود نہیں بلکہ ہم بریلوی مکتب فکر کے حضرات سے بھی یہی گزارش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ”عید میلاد النبی“ کے نام پر جو المناک حرکتیں اب شروع ہو چکی ہیں وہ یقیناً ان کو بھی گوارا نہیں ہوں گی۔

یہ مسئلہ بالکل علیحدہ ہے کہ محفل میلاد منعقد کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے کوئی دن منانا کس حد تک درست ہے؟ اس مسئلہ میں بریلوی مکتب فکر کے حضرات ہم سے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن جس انداز سے یہ دن اب منایا جانے لگا ہے اور دین حنیف پر جو ظلم اس مقدس نام سے کیا جا رہا ہے ہمیں یقین ہے کہ اس کی طرف باشعور بریلوی حضرات بھی غور فرمائیں گے، تو ہماری یہ اپیل انہیں اپنے قلب و ضمیر کی آواز محسوس ہوگی۔

لہذا ہم دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث تمام مکاتب فکر کے سربراہان اور وہ حضرات سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ خدا کے لیے وہ آنحضرت ﷺ کے مقدس نام نامی کے ساتھ ان ناقابل برداشت گستاخیوں کا سد باب کرنے کی فکر کریں اور اپنی تقریر و تحریر اور ذاتی کوششوں کے ذریعہ عوام کو سمجھائیں کہ سرورِ دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی سیرت طیبہ کے ساتھ محبت و عظمت کا اصل تقاضا کیا ہے؟ اور آپ کی یاد منانے کے لیے غیر مسلم قوموں کے طریقے اختیار کر کے ہم کس بدترین گمراہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور اپنی زندگیوں کو سراسر گناہوں میں غرق کرنے کے بعد ہم بزعم خود حضور اقدس ﷺ کی محبت کا حق ادا کرنے کے لیے اس قسم کے کھیل تماشے منعقد کرتے رہے تو اس کا انجام دنیا و آخرت کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ (بشکریہ ماہنامہ البلاغ کراچی)

فقہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ

شریعت اسلامی میں بہت سے احکام کا تعلق چاند کے نظر آنے سے ہے، اس لیے چاند کے دیکھنے کا مسلمانوں کو اہتمام کرنا چاہیے۔ حکومت نے اس کے لیے ۱۹۷۴ء میں ”رویت ہلال کمیٹی“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس میں چاند دیکھنے کا قاعدہ اہتمام اور پھر اعلان کیا جانا تھا۔ اس وقت سے یہ ادارہ اب تک چلا آ رہا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت فقہ العصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے رویت ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت پر ایک جامع مضمون قلم بند فرمایا تھا جو اس وقت نفت روزہ ”الجمیعة“ پنڈی میں بھی شائع ہوا تھا۔ اب اسے مجلہ ”الحقائق“ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ مضمون کی افادیت کا اندازہ اہل علم کو مطالعہ کے بعد ہی ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا یہ فیصلہ کہ:

”کمیٹی رمضان اور عید کے چاند دیکھے جانے کا اعلان شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق شہادتوں کی بنیاد پر کرے گی“۔ (نوائے وقت 29-8-74)

ہر اعتبار سے خیر مقدم اور تحسین کے لائق ہے اور کمیٹی کے مقصد تشکیل کے بھی عین مطابق ہے۔ اس کا مقصد تشکیل ہی یہ بتلایا گیا تھا کہ:

”چاند نظر آنے کے بارہ میں تمام فیصلے شریعت کے ضابطوں کے تحت کیے جائیں اور ان پر پورے ملک میں عمل کرایا جائے“۔ (مشرق 12-8-74)

متذکرہ صدر فیصلے کے بعد بجا طور پر اس کمیٹی سے یہ توقع وابستہ ہو جاتی ہے کہ رویت ہلال کے بارہ میں اس کے فیصلے شریعت کے اصولوں کے موافق اور قابل اعتماد ہوں گے۔ اور یہ کہ کمیٹی اپنے مقصد تشکیل میں کامیاب اور فائز المرام ہوگی۔

اسی طرح کمیٹی نے ”محکمہ موسمیات کے توسط سے سائنسی آلات کے ذریعہ چاند

دیکھنے کا طریقہ ختم کرنے کا فیصلہ۔ (نوائے وقت 28-8-74) کر کے بھی شرعی ضابطہ رویت ہلال کے تقاضہ کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی کی افتتاحی تقریر میں بھی اس کی طرف ان لفظوں میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ:

”ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی دن میں عید اور رمضان ہو، اصل میں دور بینوں کی مدد سے چاند دیکھ لینا اور بات ہے اور آنکھ سے چاند دیکھ لینا اور بات ہے اس لیے اصول یہ نہیں کہ چاند موجود ہے بلکہ اصول یہ ہے کہ چاند کو دیکھا جائے۔“ (مشرق 12-8-74)

وزیر موصوف نے بھی ان الفاظ میں دور بینوں وغیرہ آلات جدیدہ کی مدد سے چاند دیکھ لینا اور آلات جدیدہ کے واسطے کے بغیر آنکھ سے دیکھ لینے میں واضح فرق کرتے ہوئے چاند کے موجود ہونے کو نہیں بلکہ چاند کے نظر آنے اور دیکھے جانے کو بطور اصول کے تسلیم کر کے شرعی ضابطہ رویت ہلال کی ہی ترجمانی کی ہے۔

شرعی ضابطہ چاند کے وجود کا نہیں بلکہ رویت کا ہے

شریعت اسلام نے جن معاملات کا مدار چاند پر رکھا ہے ان میں چاند کے صرف افق پر موجود ہونے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اس کا قابل رویت ہونا اور عام آنکھوں سے اس کا دیکھا جانا ضروری قرار دیا ہے۔

عقلی دلیل

اس کی عقلی دلیل یہ ہے جس کو ہر لکھا پڑھا آدمی جانتا ہے کہ چاند اپنے مدار میں کہیں نہ کہیں ہر وقت موجود ہے اور وہ ۲۸ تاریخ کو اور اس سے پہلے بھی فضاء کے کسی بلند افق سے ایسی دور بینوں کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے جو آفتاب کی شعاع کو انسانی نگاہ کے

درمیان حائل نہ ہونے دیں۔

اب ضابطہ اگر صرف وجود ہلال کا ہوتا اور احکام شرعی میں وجود کا اعتبار ہوتا تو ۳۰/۲۹ کی بحث ہی ختم تھی اس سے عقلی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ ضابطہ شرعی چاند کے وجود کا نہیں بلکہ اس کی رویت کا ہے اور مدار کا چاند کے افتق کے اوپر موجود ہونے پر نہیں بلکہ اس کے قابل رویت ہونے اور عام آنکھوں سے دیکھے جانے پر ہے یعنی رمضان یا عید کرنے کے لیے چاند کا صرف افتق پر وجود کافی نہیں بلکہ اس کی رویت ضروری ہے۔

اس ضابطہ کی شرعی سند اور نقلی دلیل

حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتاب صحیح بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تصوموا حتیٰ تروہ ولا تفطروا حتیٰ تروہ فان غم علیکم فاقدروہ۔
(ترجمہ) روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور عید کے لیے افطار اس وقت تک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو حساب لگا لو (یعنی حساب سے ۳۰ دن پورے کر لو)۔

اس حدیث میں روزہ رکھنے اور عید کرنے کا مدار چاند کی رویت پر رکھا ہے۔ لفظ رویت عربی زبان کا مشہور لفظ ہے اس کے حقیقی معنی کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنے کے ہیں، دوسرے معنی میں اس کا استعمال مجازاً ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مدار چاند کا افتق پر وجود نہیں بلکہ رویت ہے، اب اگر چاند افتق پر موجود ہو مگر کسی وجہ سے قابل رویت نہ ہو تو احکام شرعی میں اس وجود کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث کے آخری جملہ نے اس بات کو اور زیادہ واضح کر دیا جس میں یہ ارشاد ہے کہ اگر چاند تم سے مستور اور چھپا ہوا ہے۔ یعنی تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر تم

اس کے مکلف نہیں ہو کہ سائنسی آلات اور دوربینوں کے ذریعہ اس کا وجود دیکھو، بلکہ فرمایا کہ ایسی صورت میں حساب سے ۳۰ دن پورے کر کے مہینہ کو ختم سمجھو۔ اس لفظ میں ”غم“ (مستور ہو جائے) خاص طور پر قابل لحاظ ہے جس کے معنی عربی محاورہ کے اعتبار سے یہ ہیں ”غم الهلال علی الناس غما اذا حال دون الهلال غیم رقیق فلم یر“ لفظ غم الهلال علی الناس اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ ہلال کے درمیان کوئی بادل یا دوسری چیز حائل ہو جائے اور چاند کو دیکھنا نہ جاسکے۔ (تاج العروس از رسالہ رویت ہلال) اس سے واضح ہے کہ چاند کا وجود خود آنحضرت ﷺ نے تسلیم فرما کر یہ حکم دیا ہے، کیونکہ مستور ہو جانے کے لیے موجود ہونا لازمی ہے جو چیز موجود ہی نہیں اس کو معدوم کہا جاتا ہے۔ محاورات میں اس کو مستور نہیں کہا جاتا بہر حال جب چاند نگاہوں سے مستور ہو اور وہ دیکھنا نہ جاسکے تو ضابطہ شرعی یہ ہے کہ روزہ اور عید وغیرہ میں اس کے وجود کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ضابطہ شرعی چاند کے مسئلہ میں اس کے وجود کا نہیں ہے بلکہ اس کے عام نگاہوں کے لیے قابل رویت ہونے کا ہے اور ظاہر ہے کہ دوربینوں کے ذریعہ شمسی شعاعوں سے مستور چاند کو دیکھ لینا یا بذریعہ ہوائی جہاز پرواز کر کے بادلوں سے اوپر جا کر چاند کو دیکھ لینا عام رویت کہلانے کا مستحق نہیں۔ ایک بے محل تجویز

یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ کسی چیز کا قابل رویت ہونا یا دیکھا جانا یہ مسئلہ نہ تو سائنس کا ہے نہ ہی محکمہ موسمیات و فلکیات سے اس کا کوئی تعلق ہے اس لیے یہ تجویز قطعاً بے محل ہے کہ: ”علماء کرام کے ساتھ اس کمیٹی میں محض ایسے ہیئت دانوں کو بھی شامل کیا جائے جو چاند کی منازل و دوائر کا تفصیلی علم رکھتے ہیں“۔ (نوائے وقت 74-8-13)

چونکہ یہ عام واقعاتی معاملہ ہے اس لیے اس کا فیصلہ اسلامی عدالتوں میں قاضی شرعی اور عام حکومتوں میں کوئی جج ہی کر سکتا ہے اس کے لیے کسی ہیئت دان کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے پھر جب چاند کا دیکھنا ایک عام واقعاتی معاملہ ہے اور اس کا فیصلہ کرنا شرعی حکم روزہ یا عید وغیرہ کے لیے درکار ہے تو ظاہر ہے کہ شرعی ضابطہ شہادت کے موافق اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ایسے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوگی جن میں رویت ہلال کی شہادت کو شرعی ضابطہ شہادت کے مطابق جانچ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ اس فیصلہ کے لیے کسی ہیئت دان کی پچر لگانا بالکل غیر ضروری اور مقصد کے خلاف ہے البتہ اگر مسئلہ زیر بحث چاند کے وجود کا ہوتا تو بے شک وہ صرف قاضی شرعی اور علماء کے دیکھنے کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ فن دانوں، ماہرین فلکیات اور ہیئت دانوں سے حل کرانے کی چیز تھی اور کوئی قاضی یا عالم بھی اگر وجود ہلال کا فیصلہ کرتا تو اس کو بھی ماہرین فلکیات ہی کی طرف رجوع کرنے اور ان سے مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

غلط تاثر

عام طور پر یہ غلط تاثر بھی دیا جا رہا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں محکمہ موسمیات کے فیصلہ پر روزے اور عید وغیرہ ادا کیے جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ قاہرہ جیسی جدت پسند حکومت میں بھی محکمہ موسمیات کی پیشگوئی کے باوجود جب عام طور پر چاند نہ دیکھا گیا تو محکمہ موسمیات کے خلاف علماء کے فتویٰ پر عید کو مؤخر کیا گیا ہے۔ (از رویت ہلال بحوالہ جنگ (61-3-19))

سعودی عرب اور متحدہ ممالک اسلامیہ میں بھی یہی دستور ہے کہ وہاں رویت ہلال کے فیصلہ کا اعلان قاضی شرعی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح بات وہی ہے جیسا کہ وزیر اطلاعات نے کہا ہے کہ: ”ہم دوسروں کی نقالی نہیں چاہتے“۔ (مشرق)

جنتریوں اور گھڑیوں پر اعتماد کی وجہ

سورج کے طلوع و غروب میں جنتریوں پر اعتماد کی وجہ سے نماز ادا کرنے بلکہ خود روزہ کے سحر و افطار میں بھی جنتریوں اور گھڑیوں پر اعتماد کرنے سے کسی شرعی اصول پر زد نہیں پڑتی بلکہ طلوع و غروب کے معلوم ہونے میں ایک سہولت حاصل ہو جاتی ہے، پھر طلوع و غروب اور صبح صادق کا نور آنکھوں سے دیکھنے کی چیزیں ہیں ان میں گھڑیوں، جنتریوں پر اس لیے اعتماد روا رکھا گیا ہے کہ جس وقت گھڑی یا جنتری میں شبہ ہو تو ہر شخص ہر جگہ مشاہدہ کے ذریعہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے، بہر حال جس اصول پر نماز اور سحر و افطار وغیرہ کے اوقات مقرر تھے یعنی عام آنکھوں سے طلوع و غروب یا سایہ وغیرہ کو دیکھ لینا اب بھی وہی اصول قائم اور کارفرما ہے۔ جنتریوں اور گھڑیوں نے اس اصول پر عمل کرنے میں صرف سہولت پیدا کی ہے، اس کو تبدیل نہیں برخلاف اس کے اگر چاند کے معاملہ میں سائنسی آلات دور بینوں وغیرہ پر انحصار کر کے رمضان کا حساب لگا دیا جائے گا اور چاند کے وجود کو ان آلات کے ذریعہ معلوم کر لینے کو کافی سمجھ لیا جائے گا تو مدار کار چاند کے وجود پر ہو جائے گا اس کے قابل رویت ہونے اور دیکھے جانے پر نہیں رہے گا، اس سے شرعی اصول رویت پر زد پڑتی ہے۔ پھر چاند کے وجود کے معلوم کرنے کے لیے کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں ہے جس سے کام لے کر ہر شخص اس کی دریافت پر قادر ہو سکے اور ان آلات کی تصدیق یا تکذیب کر سکے۔ مقصد یہ ہے کہ گھڑیوں اور اوقات نماز روزہ کی جنتریوں نے شرعی اصول کو برقرار رکھا اور طلوع و غروب کے پہچاننے میں صرف سہولت پیدا کر دی، اس لیے ان کے استعمال کو قبول کر لیا گیا اور سائنسی آلات سے چاند کے دیکھنے میں کوئی سہولت پیدا ہونے کی بجائے سرے سے شرعی ضابطہ اصول رویت کو ہی ترک کرنا اور چاند کے افق پر وجود کو اصول بنانا لازم آتا ہے جو کہ مقررہ شرعی اصول کے خلاف ہے اس لیے اس کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

آلات جدیدہ کے استعمال کا شرعی ضابطہ

اس بات کا لحاظ رکھنا ہر قدم پر ضروری ہے کہ سائنسی آلات اور نئی ایجادات کے استعمال سے استفادہ اسی حد تک درست ہے جہاں تک قرآن و سنت کے بتلائے اور مقرر کئے ہوئے اصول مجروح نہ ہوتے ہوں۔ مسئلہ ہلال میں بھی اگر نئی ایجادات اور سائنسی آلات سے اس حد تک کوئی مدد ملی جائے جس حد تک اسلامی مسئلہ مجروح نہ ہوتا ہو تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہے مگر چاند کی منازل و دوائر کے حساب سے ایک تقویم (کیلنڈر) مرتب کرنے کے اہتمام اور اس کو دوامی صورت دینے سے اسلام کا مسلمہ اصول رویت مجروح ہوتا ہے۔ اس لیے علماء کرام کو چاند دیکھنے کی جگہ یہ سوچنے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ: ”ہلال کی رویت بصری کی جگہ رویت وجدانی و یقینی کی بنا پر پورے عالم اسلام کے لیے کوئی ایسی تقویم مرتب کی جاسکتی ہے، جو پورے عالم اسلام میں رمضان کے روزے ایک ہی دن شروع کرا سکے اور عیدین کا اہتمام بھی جس کی رو سے پوری دنیا میں ایک ہی دن ہو“۔ (نوائے وقت ۱۳/ اگست ۷۴ء)

آلات جدیدہ سے حاصل شدہ معلومات بھی یقینی نہیں ہیں

اس کے علاوہ رویت وجدانی کو یقینی اور آلات سے حاصل شدہ معلومات کو قطعی طور پر صحیح سمجھ لینا بھی واقعہ کے خلاف ہے بلکہ واقعہ ہے کہ دنیا میں جتنی بھی جدید اور قدیم تقویمیں اور جنتریاں اور کیلنڈر وجود میں آئے ہیں ان میں سے اگر صرف ان ہی کو لیا جائے جو مسلم ماہرین فن نے تیار کیے ہیں تو ان میں باہمی اختلاف نظر آتا ہے اگر ان آلات کے نتائج قطعی اور یقینی ہوتے تو ماہرین فن کے اختلاف کا کوئی احتمال نہ رہتا، حالانکہ سائنس کے اس ترقی کے دور میں بھی یہ اختلاف دن رات مشاہدہ میں آرہا ہے۔

۱۹۶۱ء ہی کی بات ہے کہ کراچی میں محکمہ موسمیات ایک ہفتہ پہلے یہ اعلان کرتا

ہے کہ ۲۹ رمضان جمعہ کے روز غروب آفتاب کے بعد تقریباً اکیس منٹ تک چاند افق پر رہے گا اور دیکھا جاسکے گا، جو تمام کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا۔

دوسری طرف پنجاب یونیورسٹی کی رصد گاہ کے ذمہ دار افسر بھٹی صاحب کا مندرجہ ذیل بیان ۲۹ تاریخ کی شام کو کراچی کے اخبار ”ایوننگ اسٹار“ میں شائع ہوا کہ یہ پیشگوئی (محکمہ موسمیات کی پیشگوئی) غلط... مسٹر بھٹی نے اپنے دعویٰ کی تائید میں دو دلیلیں پیش کیں: ”اول یہ کہ ہلال کا سائز اور اس کی روشنی اس قدر کم ہوگی کہ معمولی نگاہیں دیکھ نہیں سکیں گی۔“

پنجاب یونیورسٹی کے ماہر نجوم نے دوسری بات یہ بتلائی کہ: ”غروب آفتاب کے نصف گھنٹہ کے اندر ہی ہلال غروب ہو جائے گا۔ اور آسمان پر اس قدر تاریکی نہیں چھائے گی جس سے میں مخفی اور باریک چاند نظر آسکے۔“ (از رویت ہلال بحوالہ ایوننگ اسٹار جمعہ ۲۹ رمضان ۸۰ھ ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء)

محکمہ موسمیات کراچی اور رصد گاہ پنجاب کے ان دو مختلف بیانونوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان ترقی یافتہ قواعد اور آلات سے حاصل ہونے والے نتائج کو قطعی اور یقینی کہنا محض خوش گمانی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔

چوتھی صدی کے مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہر نجوم و فلکیات ابوریحان البیرونی نے جو ان فنون کا بے نظیر امام مانا جاتا ہے۔ اپنی مشہور کتاب ”الآثار الباقیہ من القرون الخالیہ“ میں ”ان آلات رصدیہ کے ان نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلہ کو تمام ماہرین فن کا اجتماعی اور اتفاقی نظریہ بتلایا ہے۔“ (آثار الباقیہ ص ۹۸ از رویت ہلال)

جب قدیم و جدید ماہرین فن کے اپنے اعتراف سے یہ بات ثابت ہے کہ رصد گاہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات بھی رویت ہلال کے مسئلہ

میں یقینی اور فیصلہ کن نہیں ہیں تو پھر ان پر اعتماد کر کے ایسی دائمی تقویم کیسے مرتب کی جاسکتی ہے کہ چاند کے دیکھے بغیر ہی رمضان اور عید کا حکم لگا دیا جاسکے اور رمضان و عید کے بارہ میں رویت بصری کی جگہ رویت وجدانی کو معیار قرار دیا جائے۔

وحدت عید کی بنیاد

ایسی تقویم کے مرتب کرنے کی تجویز کی بنیاد صرف اس خیال پر ہے کہ پورے عالم اسلام میں یا کم از کم ایک ملک میں عید کا ایک ہی دن ہونا ضروری ہے۔ مگر جب اس وحدت عید کی اصل بنیاد پر نظر کی جائے کہ لوگوں نے عید کو ایک دنیوی تہوار یا ملکی تقریب سمجھ لیا ہے تو پھر یہ خیال بڑی ہی توجہ اور اصلاح کے قابل ہو جاتا ہے اس لیے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے ہماری عیدیں اور روزہ رمضان و محرم دنیوی تہوار نہیں ہیں بلکہ سب کی سب ایسی عبادات ہیں جن کو اوقات مقررہ پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہر ملک ہر خطہ میں وہاں کے افتق کے اعتبار سے ان کے اوقات میں اختلاف ہونا لازمی ہے۔ ہم پاکستان میں جس وقت عصر کی مثلاً نماز پڑھتے ہوتے ہیں بعض موسموں میں اس وقت مشرقی بنگال ہی میں عشاء کا وقت ہوتا ہے اور مغرب کا وقت تو اکثر موسموں میں ہوتا ہے۔

دوسرے ممالک اسلامیہ میں تو وقت کا یہ تفاوت اور بھی زیادہ ہوتا ہے اس لیے اگر ایک تاریخ کسی طرح متعین کر بھی لی جائے تو جب بھی تمام ممالک اسلامیہ میں تو وحدت اور یکسانیت کا پیدا ہونا پھر بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اسلامی ممالک مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں ایک دن کا فرق پڑ جانا لازمی بات ہے۔ غالباً یہی بات ہے کہ مولانا کوثر نیازی صاحب نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ:

”ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ پوری دنیا میں عید اور رمضان ایک دن ہی ہو“۔ (مشرق مذکور)

اسی سے رابطہ عالم اسلامی کی اس تجویز کا ناممکن الوقوع ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے کہ:

”اگر ایک مسلمان ملک میں چاند نظر آجائے تو اسے دوسرے مسلمان ملک میں تسلیم کر لیا جائے۔“

ہر لکھا پڑھا آدمی جانتا ہے کہ مشرق و مغرب کے فاصلوں میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ بلاد بعیدہ میں ایسا ہونا نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے کہ جس وقت ایک ملک میں جمعہ کا دن ہے دوسرے ملک میں ابھی جمعرات کا دن ہوتا ہے۔ اور ایک ملک میں ۲۹ تاریخ ہے تو دوسرے میں ابھی ۲۸ تاریخ ہوتی ہے۔

ان حالات میں کسی موقت عبادت عید وغیرہ کے اندر پوری دنیا یا مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے عالم اسلام کی وحدت و یکسانیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ اگر کوئی حکومت وسیع ہو تو اس کے بھی دو مختلف بعید حصوں میں یہ وحدت اور یکسانیت ناممکن العمل ہے۔

وحدت عید کی سنت میں کوئی اصل نہیں

عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ اور اس کے بعد بھی تمام مسلمانوں کا تعامل ہمیشہ اس سے مختلف رہا ہے کبھی اس کا بھی اہتمام نہیں کیا گیا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک ہی دن میں عید ہو اور ایسے واقعات بھی ثابت ہیں کہ ملک شام میں رمضان اور عید کسی دن ہوتے ہیں اور مدینہ منورہ میں کسی اور دن حالانکہ مدینہ منورہ سے ملک شام کا فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں تھا اور مملکت بھی اس وقت ایک ہی تھی۔

ایک واقعہ

صحیح مسلم شریف میں یہ روایت کریب بسند صحیح مذکور ہے کہ ملک شام میں جمعہ کی شام کو چاند دیکھا گیا۔ امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام اہل شام نے جمعہ کو روزہ رکھا اور مدینہ منورہ میں اس روز چاند نظر نہیں آیا۔ امیر مدینہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہفتہ سے رمضان کا روزہ رکھا اور رمضان کے ختم ہونے سے

پہلے حضرت ابن عباس کو اگرچہ کریم کی شہادت سے اس کا علم ہو گیا تھا کہ ملک شام میں جمعہ کو چاند دیکھا گیا ہے مگر صرف ایک گواہ کی شہادت موجود تھی جو رمضان شروع کرنے کے لیے تو کافی تھی مگر شروع ہو جانے کے بعد اس کے ایک دن پہلے ثبوت کے لیے دو شہادتوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے حضرت ابن عباس نے ایک شہادت پر ہلال رمضان کا ثبوت ایک دن پہلے تسلیم نہیں کیا، لیکن اگر عید و رمضان کی وحدت و یکسانیت کوئی ایسی مطلوب چیز ہوتی تو یہ بات کچھ مشکل نہیں تھی، کہ علاقہ شام سے دوسری شہادت طلب کر کے یہ وحدت قائم کر لی جائے؟ مگر حضرت کریم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصرار کے باوجود ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۴۸)

وحدت عید کی شرعی صورت

اگرچہ عید و رمضان میں وحدت و یکسانیت پیدا کرنے کے لیے اہتمام کرنا اسلام کی فطری سادگی اور سہولت پسندی کے خلاف ہے اور اس کے لیے جو بنیاد عام طور پر غلط فہمی سے پیدا کر لی گئی ہے کہ یہ کوئی قومی دن یا ملکی تقریب ہے اس کی اصلاح بھی واجب ہے، لیکن اس کے باوجود پاکستان میں اس کی وحدت کی شرعی صورت صرف یہ ہے کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی شرعی ضابطوں کے موافق شہادت حاصل کر کے رویت کا فیصلہ کرے، جیسا کہ کمیٹی نے اپنے اجلاس میں اس کو طے کر لیا ہے پھر اس فیصلہ کو ریڈیو پر مرکزی کمیٹی کی طرف سے ہی نشر کیا جائے تو پھر وہ فیصلہ پورے ملک کے لیے قابل قبول اور اس کی حدود ولایت میں نافذ العمل ہوگا۔ اس لیے مرکزی حکومت کی طرف سے حاصل شدہ اختیارات کی بنا پر صرف مرکزی کمیٹی کا فیصلہ ہی پوری حدود ولایت میں قابل نفاذ ہو سکتا ہے۔

”فتح الباری“ شرح بخاری میں ہے:

وقال ابن الماحشون لا يلزمهم بالشهادة الا لاهل البلد الذي ثبتت فيه الشهادة الا ان يثبت عند الامام الاعظم فيلزم الناس كلهم لان البلاد في حقه كالبلد الواحد اذ حكمه نافذ في الجميع۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۹۸)

ضلعی اور صوبائی کمیٹیوں کی حیثیت

صوبائی اور ضلعی سطح کی حکومتوں کی قائم کردہ ہلال کمیٹی کے اختیارات بھی چونکہ ان کی حکومتوں کے محدود اختیارات کی طرح اپنے صوبوں اور ضلعوں تک ہی محدود ہوں گے۔ اور اس کا فیصلہ بھی صرف ان کے حدود ولایت میں ہی قابل نفاذ ہوگا اس لیے پورے ملک میں اس کے قابل نفاذ ہونے کی شرط یہ ہے کہ صوبائی اور ضلعی سطح کی کمیٹیوں کو مرکزی حکومت یا مرکزی کمیٹی کی طرف سے مقرر کیا جائے اور ضلعی حکومتوں کی طرف سے تشکیل دی ہوئی کمیٹیوں کا فیصلہ پوری مملکت کے لیے قابل نفاذ نہیں ہو سکتا اور اس لیے ان کے فیصلہ سے وحدت عید وغیرہ کا مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

نظم میں وحدت

مختلف مقامات کی کمیٹیوں کی طرف سے مختلف فیصلوں کا اعلان ملت کے انتشار و افتراق کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے انتظام کو برقرار رکھنے اور نظم میں وحدت پیدا کرنے کے لیے بھی تمام کمیٹیوں کا مرکزی کمیٹی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ایسا انتظام قائم کیا جانا ضروری ہے کہ رویت ہلال کے بارہ میں ان کا کوئی فیصلہ مرکزی کمیٹی کے واسطے کے بغیر براہ راست نشر نہ کیا جاسکے۔

”کراچی، پشاور، لاہور اور کوئٹہ میں رویت ہلال کی ایسی چار سب کمیٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے تعاون سے کام کریں گی۔“

(نوائے وقت 29-8-74)

اس تعاون میں مذکورہ شرط اور نظم میں وحدت قائم کرنے کے لیے مذکورہ تجویز کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ٹیلی فون اور ریڈیو وغیرہ سے فیصلہ کا اعلان

ان آلات جدیدہ اور ذرائع ابلاغ میں چونکہ شرط شہادت شاہد و گواہ کا حاضر عدالت ہونا نہیں پائی جاتی اس لیے دنیا کی تمام عدالتوں کے مسلمات میں سے ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کے واسطہ سے ادا شدہ کوئی شہادت کسی عدالت میں بھی قابل قبول نہیں ہوتی، البتہ جن مقامات پر شہادت شرط نہیں صرف خبر کافی ہے ایسے مقامات میں ریڈیو وغیرہ ان ذرائع کا استعمال خبر رسانی کے لیے درست ہے۔

اس لیے رویت ہلال کا فیصلہ کرتے وقت تو ضابطہ شہادت کی پابندی ضروری ہوگی اور ٹیلی فون وغیرہ آلات جدیدہ کے ذریعہ حاصل شدہ کوئی شہادت معتبر نہ ہوگی۔ لیکن اس فیصلہ کا اعلان ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ نشر کرنا شرعاً معتبر اور درست ہوگا۔

البتہ صوبائی یا ضلعی کمیٹی کا فیصلہ مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کے لیے ٹیلی فون کا واسطہ اس شرط سے معتبر ہوگا کہ اس ذیلی کمیٹی کی تشکیل مرکزی کمیٹی یا مرکزی حکومت نے کی ہو، اور اگر اس کمیٹی کی تشکیل صوبائی یا ضلعی سطح پر کی گئی ہو تو پھر اس کے فیصلہ کا شہادت یا استغاضہ کے ذریعہ مرکزی کمیٹی تک پہنچایا جانا شرط ہوگا۔ اس لیے کہ فیصلہ کنندہ ادارہ کے اپنے حدود ولایت میں تو اس کے فیصلہ کے نافذ العمل ہونے کے لیے اس فیصلہ کا بطور خبر کے شائع ہونا ہی کافی ہوتا ہے، جس میں ٹیلی فون پر آئی ہوئی خبر بھی شامل ہے۔ مگر ایک ادارہ کے فیصلہ کے دوسرے ادارہ کی حدود ولایت میں نافذ العمل ہونے کے لیے اس ولایت کے باختیار ادارہ کے پاس شہادت یا استغاضہ کے ساتھ پہنچنا شرط ہے، اس لیے پشاور لاہور وغیرہ کی کمیٹیوں کے قائم کرنے کے فیصلہ میں جو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے

ساتھ تعاون سے کام کرنے کو کہا گیا ہے، اس میں اس شرط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
 ان تفصیلات کے ملاحظہ کے بعد ناظرین پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی
 کہ وحدت عید کی یہ بنیاد قابل اصلاح ہے کہ:
 ”یہ کوئی دنیاوی تہوار اور ملکی تقریب ہے، اس لیے اس کو تمام عالم اسلام یا کم از کم
 ایک ملک میں ایک ہی دن منایا جانا چاہیے۔“

اور شرعی ضابطہ چونکہ چاند کی رویت اور اس کا ثبوت ہے۔ صرف وجدان اور اس
 کا وجود کافی نہیں ہے اور بلاد بعیدہ بلکہ ایک ملک کے ہی دور دراز حصوں کے اندر چاند کے
 دیکھنے میں اختلاف کا پایا جانا قانون عقلی کا تقاضا ہے، اس لیے ممالک بعیدہ یا ایک ملک
 کے ایسے دور دراز حصوں میں تو وحدت عید کی کوئی شرعی صورت عقلاً بن ہی نہیں سکتی جن میں
 رویت ہلال کے اندر ایک دن کا اختلاف ہو جانا ممکن ہو اس لیے نہ تو ایسی کوئی تقویم ہی
 مرتب کی جاسکتی ہے جس کی رو سے پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن عید منائی جاسکے اور
 نہ ہی ایک اسلامی ملک کی رویت پر بنیاد رکھ کر دوسرے تمام ملکوں میں عید و رمضان کا حکم
 لگایا جانا ممکن ہے البتہ پاکستان کی موجودہ حدود میں چونکہ رویت ہلال کے اندر ایک دن کا
 اختلاف واقع نہیں ہے اس لیے اگر مرکزی رویت ہلال کمیٹی شرعی ضابطہ کی پابندی کے
 ساتھ فیصلہ کرے، پھر اپنے فیصلہ کا باضابطہ اعلان کر دے تو یہ فیصلہ پوری مملکت کے لیے
 قابل نفاذ ہوگا۔ چنانچہ اس سال رمضان اور عید میں اسی پر عمل کیا گیا ہے۔

رمضان المبارک کے لیے کمیٹی کے اعلان میں جو ایک خلا محسوس کیا جا رہا تھا کہ
 کمیٹی کے فیصلہ کو کمیٹی کی طرف منسوب کر کے اس کے کسی ذمہ دار شخص نے اعلان نہیں
 کیا تھا، بلکہ عام خبروں کی طرح اس کے فیصلے کو نشر کر دیا گیا تھا۔

عید کے بارہ میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی صدر مرکزی رویت ہلال

کمیٹی نے بذات خود واضح طور پر اعلان کر کے اس خلاء کو بھی پر کر دیا ہے۔ آئندہ بھی اسی ضابطہ کار کی پابندی کی جانی لازمی ہے۔

پوری مملکت میں وحدت رمضان وعید کی اس شرعی صورت کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ رویت ہلال کمیٹیوں کا ایک منظم اور مکمل سلسلہ پورے ملک میں قائم کیا جائے یہ مقصد صرف صوبائی سطح پر چار کمیٹیوں کے قیام سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک چاند کی شہادت کو ان کمیٹیوں تک پہنچانے کا ملک گیر اور مکمل انتظام نہیں کیا جائے گا اور دور دراز کے مقامات اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں سے رویت ہلال کی خبروں کے پہنچانے کا کافی اور مکمل نظام قائم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صوبائی کمیٹیوں کا فیصلہ بھی ناکافی معلومات پر مبنی ہونے کی وجہ سے نامکمل رہے گا، اور اس کی وجہ سے مرکزی کمیٹی بھی صحیح صورت حال سے ناواقف رہے گی، جب کسی جگہ سے چاند کے دیکھے جانے کی شہادت ہی کمیٹی کے پاس نہیں پہنچ سکی یا وہ شرعی ضابطہ کے مطابق نہیں تھی اس لیے قبول نہیں کی گئی۔ تو اب کمیٹی کے پاس چاند کے نہ ہونے کا اعلان کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے۔

اس لیے کمیٹی کو مطعون کرنے کی بجائے ایسے انتظامات پر توجہ دلانے اور زور دینے کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ ہر جگہ کی رویت باقاعدہ طور پر کمیٹی تک پہنچ سکے اگر شہادتوں کے پہنچانے کا انتظام مکمل کر دیا جائے اور ملک کے گوشہ گوشہ سے چاند دیکھنے کی شہادتوں کو شرعی ضابطہ کے مطابق کمیٹی تک پہنچا دیا جائے تو کمیٹی یقیناً صحیح نتیجہ پر پہنچے گی اور اس کا فیصلہ واقع کے مطابق ہوگا اور اگر اس نظام میں نقصان رہا تو اس کا اثر فیصلہ میں بھی سرایت کرے گا اور فیصلہ واقع کے مطابق نہ ہوگا۔

اس لیے چاند کے نہ دیکھنے کا اعلان کرنے کے لیے پوری احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ تفتیش اور جستجو کے بعد ہی ایسا اعلان کیا جانا چاہیے۔ پھر بھی محتاط

لفظوں میں ہی اعلان ہونا چاہیے۔ مثلاً یوں اعلان کیا جائے کہ ”اب تک ہمارے پاس رویت کا ثبوت نہیں پہنچا“۔

قابل غور بات

قابل غور بات یہ ہے کہ اس اعلان کے بعد کہ چاند نظر نہیں آیا اگر کسی جگہ سے چاند دیکھنے کی شہادت مہیا ہو جائے تو اس صورت میں ارکان ہلال کمیٹی کا طرز عمل کیا ہوگا؟ کیا وہ اپنے سابقہ اعلان کے خلاف دوسرا اعلان کر دیں گے؟ اگر ضابطہ شہادت کے مطابق شہادت دستیاب ہو جائے تو کمیٹی کو چاہیے کہ وہ اپنے سابقہ اعلان سے رجوع کر کے رویت کا اعلان کر دے۔ اس صورت میں فیصلہ یہ دوسرا اعلان قرار پائے گا اور پہلا اعلان درحقیقت فیصلہ ہی نہیں ہے بلکہ شہادتوں کے نہ پہنچنے کا اعلان تھا اس لیے لوگوں کا اس کو فیصلہ قرار دے کر دوسرے اعلان کو فیصلہ سے رجوع قرار دینا درست نہیں ہے۔

اگر کمیٹی کی طرف سے اعلان سابقہ سے رجوع کا اعلان نہیں کیا جاتا تو جس جگہ چاند دیکھا جا چکا ہے اور شرعی طور پر ثبوت ہو چکا ہے اس جگہ روزہ رکھنے یا عید کرنے پر قانوناً یا شرعاً کوئی پابندی کیسے لگائی جاسکتی ہے؟۔

ایسی پابندی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، بلکہ جس جگہ شرعی ضابطہ کے مطابق ہلال کا ثبوت ہو گیا ہو اس جگہ اس کے مطابق عمل کرنا روزہ رکھنا یا عید کرنی شرعاً ضروری ہے البتہ کمیٹی کے فیصلہ رویت کے اعلان کے بعد اس سے کسی کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں دینی چاہیے اور فیصلہ کے مطابق ہی روزہ رکھنا اور عید کرنی چاہیے۔ فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۶۔ صرف المظفر: حضرت مدظلہم نے قصبہ صاحبہ بلوچاں میں چند طلباء کو قرآن پاک کا آخری سبق پڑھا کر بیان فرمایا۔ ۷۔ حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور بعد عصر جامعہ ہذا میں مجالس حکیم الامت سے اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۱۶۔ حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے سالانہ اجلاس شوریٰ میں شرکت فرمائی، اور نماز جمعہ قصبہ لیلیٰ ضلع سرگودھا میں پڑھائی۔ ۱۷۔ حضرت مدظلہم نے جامعہ حقانیہ للبنات میں درجہ تفسیر کی طالبات کو آخری دو سورتوں کا ترجمہ پڑھا کر بیان فرمایا۔ ۲۲۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور جامعہ میں تشریف لائے دن دس بجے طلبہ سے تربیتی خطاب فرمایا اور نماز عصر کے بعد اصلاحی درس بھی ارشاد فرمایا۔ ۲۳۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم نے جامع مسجد حقانیہ میں نماز جمعہ سے قبل بیان فرمایا۔ اور عصر کی نماز کے بعد جامعہ میں اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۲۸۔ حضرت مدظلہم نے مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلاوالی میں ماہانہ اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

جامع مسجد ترمذی:

جامعہ حقانیہ ساہی وال، حقانیہ ٹاؤن فروکہ روڈ پر الحمد للہ جامع مسجد ترمذی کے تہہ خانہ 94 x 76 کی تعمیر کا کام جاری ہے تہہ خانہ کا تخمینہ لاگت تقریباً ایک کروڑ روپے (10000000) ہے۔ ستون اور تہہ خانہ کی دیواریں مکمل ہو چکی ہیں، اور چھت کا کام شروع ہے۔ قارئین سے سہولت کے ساتھ تکمیل کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

اہل سنت والجماعت کی عظیم دینی درس گاہ

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر کا

77 رواں سالانہ عظیم الشان

جلسہ دستار بندی

بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہو رہا ہے۔

احباب سے جوق در جوق شرکت کی اپیل ہے۔

بتاریخ: 28-29-30 مارچ بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

(الراجی الی الخیر):

حافظ مسعود قاسم قاسمی مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر

برائے رابطہ: 0300-7929035/7929951/4301927

